

دو قومی نظریہ کے حامی علماء
اور
ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

خواجہ رضی حیدر

ادارت:
حاجی احمد مجاھد

ادارت :- خواجہ رضی حیدر ، حاجی احمد مجاہد

زیر اہتمام :- محمد اجمل شاہین

تزئین و خطاطی :- خالد صدیقی

پروف ریڈنگ :- حافظ خدا بخش

تعداد اشاعت :- گیارہ سو

تاریخ اشاعت :- ۲۲ جنوری ۱۹۸۲ء

طابع :- سید صابر علی

مطبع :- نوید پرنٹرز ، کمرشل ایریا ، ناظم آباد ۲ کراچی

قیمت :- ۵ روپے

ملنے کا پتہ :- سورتی اکیڈمی ۲ ڈی ۵/۱۶ ناظم آباد کراچی

مکتبہ قادریہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور

مجلس اتحاد اسلامی ، اخوند مسجد کھارادر کراچی

انتساب

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

کے تلامذہ کے نام

"کسے کہ کُشتہ نہ شد از قبیلہ ما نیست"

تفصیل

سخن گسترانہ بات

تحریکِ پاکستان کے رہنما۔ ممتاز ماہرِ تعلیم اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے تقریباً نصف صدی تک فروغِ علم کے لیے کام کیا اور اس عرصہ میں برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کی ثقافت۔ تعلیم اور تاریخ پر متعدد کتابیں تصنیف کیں جن کی بین الاقوامی سطح پر پذیرائی کی گئی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا شمار نہ صرف ایشیا کے ممتاز مورخین میں ہوتا تھا بلکہ پوری دنیا ان کو برصغیر کی تاریخ کے سلسلہ میں سند تصور کرتی ہے۔ وہ ایک غیر جانبدار مورخ کی حیثیت سے واقعات کی جانچ پڑتال کرتے اور پھر ان کو مستند ترین حوالوں کی موجودگی میں اپنی تصانیف کا حصہ بناتے۔ خصوصاً ماضی قریب کی تاریخِ برصغیر کو انہوں نے نہ صرف کھنگالا بلکہ اُن ہی واقعات کو سپردِ قلم کیا جن کی صحت پر مکمل یقین ہو گیا۔

گزشتہ چند سال قبل ڈاکٹر قریشی کی کتاب "علماء ان پالٹیکس" جب منظرِ عام پر آئی تو

علم تاریخ سے وابستگی رکھنے والے ایک مخصوص طبقہ نے اس کتاب کے بعض مندرجات پر ناراضگی کا اظہار کیا اور یہ مفروضہ قائم کیا کہ مذکورہ مندرجات کے سلسلہ میں ڈاکٹر قریشی نے تحقیق کے تقاضوں کو پیش نظر نہیں رکھا۔ اب بھی ان مندرجات کے بارے میں بعض اصحاب دو نیم رائے رکھتے ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کئی اجتماعات میں ان مندرجات کی صحت کی زبانی طور پر بھی تصدیق کی ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی مذکورہ کتاب میں پہلی مرتبہ برصغیر کی جدوجہد آزادی اور تحریک پاکستان میں علماء اہلسنت کی خدمات کو واضح الفاظ میں پیش کیا جبکہ اس سے قبل اس مکتبۂ فکر کی خدمات کو کسی شخص نے ایک غیر جانبدار مورخ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا تھا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی چونکہ تحریک پاکستان میں بذات خود شامل تھے اور انہوں نے اس عہد کی تاریخ کو اپنی آنکھوں سے بنتے دیکھا تھا اس لئے ماضی قریب کی تاریخ لکھتے وقت ڈاکٹر صاحب کا مطالعہ اور مشاہدہ دونوں کارفرما ہوتے تھے۔ اس لئے یہ کہنا کہ ڈاکٹر صاحب نے اس عہد سے متعلق کسی واقعہ کو اسکی صحت کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کم علمی کی دلیل ہے۔ ڈاکٹر قریشی کا اس عہد کے بالغ نظر تاریخ دانوں میں شمار ہوتا تھا اور ان کا یہ تبحر علمی نہ صرف پاکستان بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے قابل فخر ہے چنانچہ ایک ایسے ذی علم شخص سے جس کی ایک ایک سطر پر بین الاقوامی علمی حلقوں کی نظریں لگی رہتی ہوں یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی قسم کی بے ضابطگی کا مرتکب ہو جائے گا۔

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان اور دو قومی نظریہ کے حامی دیگر علماء کی دو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے خدمات اور تحریک پاکستان میں غیر مشروط شمولیت کے موضوع پر میری ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سے متعدد بار گفتگو ہوئی اور ہر بار انہوں نے اپنے اس موقف کا اعادہ کیا کہ دو قومی نظریہ کی تائید اور مسلمانان برصغیر کے لئے علیحدہ وطن کے مطالبہ کی حمایت میں دو قومی نظریہ کے حامی علماء نے جو نمایاں کردار ادا کیا ہے اس سے صرف نظر کرنا یا اس کو جزو تاریخ نہ بنانا خود علم

تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے۔ برصغیر میں فقہی اور فروعی اختلافات نے اتنی شدت اختیار کر لی ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہم ایک دوسرے کی خدمات اور کارناموں کو پس پشت ڈالنے کی فکر میں منہمک رہتے ہیں۔ ایک مکتبہ فکر دوسرے مکتبہ فکر کو زندہ رہنے اور اپنی بات کہنے کا حق بھی دینا نہیں چاہتا جس کی بنا پر مورخین طبقات میں بٹ گئے اور ایک نے دوسرے کا تذکرہ کرنا تو درکنار نام لینا تک گوارا نہیں کیا۔ گزشتہ صدی میں تحریر کی جانے والی تاریخ کی اکثر کتابوں میں مسخ شدہ حقائق کی بھرمار ہے جبکہ اصل ماخذ کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ایک بالغ نظر۔ صاحب الرائے بلکہ تاریخ نویسی میں مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل مورخ تھے۔ اسی لیے انہوں نے کبھی حاصل مواد پر اکتفا نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیشہ اصل ماخذ سے رجوع کیا اور وہی کچھ درج تاریخ کیا جو حق کے مطابق تھا۔ برصغیر پاک و ہند کی تحریک آزادی اور خصوصاً تحریک پاکستان میں ڈاکٹر قریشی نے بنفس نفیس حصہ لیا تھا اور وہ اس بات سے باخبر تھے کہ کن طبقات نے خلوص دل اور خلوص نیت سے قیام پاکستان کی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لئے اپنے شب و روز وقف کئے تھے۔ علامہ اقبال کا خواب جب تشکیل پاکستان کی صورت میں پورا ہوا تو موقع شناسوں اور مفاد پرستوں نے اس نومولود ریاست میں ہر طرف دام ہمرنگ زمیں پھیلا دیئے اور اپنی وفاداری اور حب الوطنی کا ایسا ڈھونگ رچایا کہ اصل اور نقل کی تمیز اٹھ گئی۔ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرنے والے افراد ایوان سیاست میں مناصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور سرکاری و غیر سرکاری ذرائع ابلاغ پر اپنا تسلط اس طرح قائم کیا کہ علمائے حق کی آواز دب کر رہ گئی۔ قطرے کو سمندر اور ذرہ کو آفتاب بنا کر پیش کیا گیا۔ بے بنیاد حکایات کو صداقت کا پیرہن دیا گیا اور وہ سب کچھ الم نشرح کر دیا گیا جس کا کوئی وجود بھی نہیں تھا۔ ایسی صورتحال میں ڈاکٹر قریشی کا گرد آلود حقائق کو از سر نو آشکارا کرنا ان کی صداقت پسندی اور ژرف نگاہی کی دلیل ہے۔

عربی کا ایک مقولہ ہے کہ "المرء یقیس علی نفسہ" یعنی ہر شخص دوسرے کو اپنے نفس

کے مطابق قیاس کرتا ہے۔ دو قومی نظریہ کے حامی علماء پر الزام تراشی کے ضمن میں بھی بدباطن تذکرہ نویسوں نے اپنے نفس کی اتباع کی لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ حق ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

یہاں ہم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی یوم اعلیٰحضرت کے موقع پر ایک تقریر، ان کی کتاب "علماء ان پالٹیکس" کے ایک باب کا ترجمہ جس میں انہوں نے علماء اہلسنت کی خدمات کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے دو یادگار انٹرویو شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ اہل علم مجموعی طور پر ان سے استفادہ کرسکیں۔

یکم جنوری سنہ ۱۹۸۲ء

خواجہ رضی حیدر

۲ ڈی ۵/۱۶ ناظم آباد کراچی

علمار اِن پالیٹکس

ممتاز مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی کتاب "علمار ان پالیٹکس" کا ایک باب جس میں ڈاکٹر صاحب نے دو قومی نظریہ کے حامی علمار کے کردار اور خدمات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس باب کا ترجمہ روزنامہ نوائے وقت کے سب ایڈیٹر جناب گل محمد فیضی نے کیا ہے جو نوائے وقت کے فاضل بریلوی نمبر میں ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کو شائع ہوا تھا۔

اب ہم مسلم علمار کے ایک اور مکتب فکر اہلسنت کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مکتبِ فکر کے عظیم ترین عالم دین مولانا احمد رضا خاں بریلوی تھے۔ ان کے نظریات کا مختصراً ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے قائل نہ تھے۔

۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ممتاز فقیہہ اور معاملہ فہم تھے۔ ان کے فتووں اور فیصلوں کا آج بھی احترام کیا جاتا ہے۔ علامہ سر محمد اقبال نے ان کے بارے میں کہا تھا "مولانا کے فتوے اُن کے فہم و ادراک، علمی مرتبے اور ان کی تخلیقی فکر کی گہرائی و گیرائی ان کی مجتہدانہ بصیرت اور علم دین پر گہری دسترس کے شاہد عادل ہیں۔ اگر ان کے مزاج میں شدت نہ ہوتی تو وہ اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے۔"

علامہ اقبال نے جس انتہا پسندی کا حوالہ دیا ہے وہ مولانا احمد رضا خان کے اس رویے کے بارے میں ہے جو انھوں نے دیوبندی مکتب فکر کے بعض رہنماؤں کے بارے میں اختیار کیا اور جس کی بنیاد پر وہ انھیں دائرہ اسلام سے خارج خیال کرتے تھے۔ جب بعض مواقع پر دیوبندی مکتبِ فکر کے بعض ممتاز علماء نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بعض نازک سوالات اٹھائے تو ان بیانات کی نوعیت انتہائی متنازعہ تھی۔ چنانچہ ان بیانات کو جس اشتعال انگیز انداز میں پیش کیا گیا اس کا جواب بھی اسی شدت کے ساتھ دیا گیا۔ اس پورے معاملے کو مابعد الطبیعاتی عذر خواہی کے طور پر پیش کرنا بہتر ہے۔ ایک فریق کی جانب سے خدا کی حقانیت، وحدانیت اور علم کے بارے میں بعض نظریات سامنے لائے جا رہے تھے۔ جبکہ دوسری جانب سے اُن خیالات و نظریات کو اسلام کے منافی گردانا گیا۔ لیکن بدنصیبی سے ان تمام اختلافات کو اُن لوگوں کے سامنے بھی پیش کیا گیا جو انھیں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ تاہم اس سے مولانا کی علمی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ اُن کی لکھی ہوئی کتابوں اور کتابچوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ برصغیر کا کوئی اور ان کا ہم عصر ماہر الٰہیات اپنے پیروکاروں پر مرتب نہیں کر سکا۔ تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدم تعاون کے فتویٰ پر دستخط لینے کے لیے علی برادران اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ "مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف"۔ جب مولانا نے یہ

دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہو گئے ہیں۔ تو انہوں نے کہا " مولانا میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں میں تو ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔"

اس مخالفت کی بڑی وجہ یہ بھی کہ اس اتحاد کے حامی افراط و تفریط میں اس قدر بہہ گئے تھے۔ کہ ایک عالم اس کی حمایت نہیں کر سکتا تھا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی بعض تحریروں اور افعال پر اعتراض کیا۔ جنہوں نے خود ان الفاظ میں اس کا حسین اعتراف کیا ہے۔

" مجھ سے بہت سے گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ کچھ دانستہ اور کچھ نادانستہ، مجھے ان پر ندامت ہے۔ زبانی، تحریری اور عملی طور پر مجھ سے ایسے امور سرزد ہوئے جنہیں میں نے گناہ تصور نہیں کیا تھا۔ لیکن مولانا احمد رضا خان بریلوی انہیں اسلام سے انحراف یا گمراہی یا قابل مواخذہ خیال کرتے ہیں۔ اُن سب سے میں رجوع کرتا ہوں جن کے لیے پیش رووں کا کوئی فیصلہ یا نظیر موجود نہیں اُن کے بارے میں میں مولانا احمد رضا خان کے فیصلوں اور فکر پر کامل اعتماد کا اظہار کرتا ہوں۔"

اپنا یہ بیان مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے شائع کر دیا۔ مسلمانوں کو ہندو قیادت کی پیروی سے باز رکھنے کی جدوجہد جاری رہی۔ مولانا سید سلیمان اشرف (بہاری) مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیت علمائے ہند کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں شریک تھے۔ کانفرنس میں انہوں نے ہندوؤں کی جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدفِ تنقید بنایا۔ اور انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ " موالات" بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے انگریزوں کے ساتھ۔ اسی طرح مولانا محمد علی نے بھی اپنی وفات سے تین ماہ قبل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے سامنے اپنی ہندو نواز سرگرمیوں سے توبہ کی۔ چند ماہ بعد مولانا شوکت علی نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ بریلوی مکتب فکر سے متعلق علماء مسلمانوں کے لیے کانگریس کی قیادت کے خلاف تھے۔ کیونکہ انہیں یہ یقین تھا کہ اس سے مسلمان بتدریج اپنے مذہبی

تشخص سے محروم ہو جائیں گے۔ اور وہ ہندوؤں کے عقائد اور روایات قبول کر لیں گے جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک کا آغاز کیا تو ان علماء نے اس کے مقابلے میں جماعت رضائے مصطفےٰ کی بنیاد ڈالی۔ جس کے تحت سینکڑوں بریلوی علماء نے ملکانہ راجپوتوں میں قابلِ قدر کام کیا اور کامیاب ہوئے۔

بریلوی مکتبِ فکر کی قیادت (بعد ازاں) مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ہاتھوں میں آ گئی۔ جمعیت علماء ہند کے علماء کے برعکس وہ ۱۹۳۸ - ۳۹ء میں ہی اس بات پر یقین کر چکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اُن کے لیے یہ سوال شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیئے۔ اس لیے جونہی قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی۔ اس مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء نے جنہوں نے اس سے قبل بھی کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی۔ قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کر دیا۔ اور ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی جدوجہد کی تبلیغ میں مصروف ہو گئی۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے بذاتِ خود شمالی برصغیر کا دورہ کیا۔ اور اس کے متعدد چھوٹے اور بڑے شہروں اور قصبات میں تقریریں کیں تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے نیا نام دیا گیا۔ آل انڈیا سُنی کانفرنس سے اس کا نام "جمہوریہ الاسلامیہ" رکھ دیا گیا۔ اس کے ارکان پاکستان پر اس قدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے "جمہوریہ الاسلامیہ" پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو ایک خط میں لکھا،

"جمہوریہ الاسلامیہ کو کسی بھی صورت حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول نہیں۔ خواہ جناح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کیبنٹ

مشن تجاویز سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔"

بنارس میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ئہ ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پانچ ہزار علماء نے شرکت کی۔ اور حاضرین و مندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت و اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ جب یہ علماء اپنے اپنے علاقے میں واپس گئے تو قیام پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنے مکتبِ فکر کے علماء کے کردار کا ان الفاظ میں ذکر کیا۔ "ہم نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آنا علماء کے لیے مناسب خیال نہیں کیا لیکن ہم نے مسلم لیگ کے مخالفین کا بڑی شدت سے مقابلہ کیا۔ اور اس کا مقصد مسلم لیگ کو ممنون کرنا ہرگز نہیں تھا۔ کیونکہ ہم نے اپنا کردار ہمیشہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ادا کیا ہے۔ ہم نے کسی وقت بھی غیر مسلموں پر اعتماد نہیں کیا۔ اور اب جبکہ مسلم لیگ نے اسلامی آرڈی ننس کے نفاذ کی جانب قدم اٹھایا ہے۔ تو ہم اسلام کی عظمت اور غلبہ کے لیے مسلم لیگ کے مخالفین کی مخالفت کر رہے ہیں۔"

بعض دیگر ——— علماء نے بھی اس ضمن میں خصوصی کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک مولانا آزاد سبحانی تھے جنہوں نے ہمیشہ قیام پاکستان کی حمایت کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ میں نماز عید کے بڑے اجتماع کی امامت کیا کرتے تھے۔ لیکن مقامی مسلمانوں نے ان کی کانگریس نواز سرگرمیوں سے بیزار ہو کر انہیں امامت سے برطرف کر دیا اور ان کی نظرِ انتخاب مولانا آزاد سبحانی پر پڑی جن کی تعلیمات اور خدمات جانی پہچانی تھیں۔ وہ اس قدر بے لوث تھے کہ ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں بہت کم مواد دستیاب ہے۔ تاہم وہ لوگ ان کی خدمات سے بخوبی واقف ہیں جو گذشتہ نصف صدی کی تحاریک کے عینی شاہد ہیں۔ کہ انہوں نے مچھلی بازار کانپور میں مسجد کے انہدام کے خلاف مظاہرے میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔ وہ خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں بھی مستعد رہے۔ وہ مسلم لیگ کے اُس کے قیام کے وقت سے ہی پرجوش معاون تھے۔ وہ ایک زبردست

عوامی مقرر تھے۔ ان کے خیالات منطقی اور متوازن ہوتے تھے۔ ان کی زبان شستہ اور پاکیزہ ہوتی اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس برصغیر میں اردو کے سب سے بڑے عوامی مقرر تھے مولانا عبدالحامد بدایونی نے عوامی معاملات میں اپنی نوجوانی کے زمانہ میں ہی دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ وہ تحریک خلافت کے ایک جوشیلے کارکن تھے اور انہوں نے اس وقت سے مسلم لیگ کا ساتھ دینا شروع کیا جب اُس کا کانگریس سے جھگڑا شروع ہوا۔ وہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی پاکستان منتقل ہو گئے۔ وہ "جمعیت علمار پاکستان" کے بانیان میں سے تھے۔

انٹرویو-۱

ممتاز مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا یہ انٹرویو روزنامہ حریت کے سابق سب ایڈیٹر خواجہ رضی حیدر نے ۲۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو لیا تھا اور ۸ جنوری ۱۹۷۹ء کو یہ ہفت روزہ "افق" کراچی میں شائع ہوا۔

جب ہم حسب وعدہ ۱۱ بجے صبح شرف آباد میں واقع ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ پہنچے تو ڈاکٹر صاحب باہر برآمدے میں تشریف رکھتے تھے ان کے ساتھ ہلال زبیری صاحب (ڈاکٹر صاحب کی کتاب "علماء ان پالیٹکس" کا اردو ترجمہ ہلال زبیری صاحب نے کیا ہے) بھی تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی نئی شائع ہونے والی کتاب کے پروف پڑھنے میں مصروف تھے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد ڈاکٹر صاحب صوفے سے اٹھے

اور ہمیں ساتھ لے کر لائبریری سے متصل ایک پُرسکون کمرے میں آ گئے یہاں ٹریفک کا شور اور پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں مدہم پڑ گئیں۔ گفتگو کا آغاز ہوا تو ڈاکٹر صاحب بڑے دھیمے لہجے میں بات کر رہے تھے ان کے چہرے پر افسردگی کے آثار تھے افسردگی کے اسباب کا پتہ ہمیں اس وقت چلا جب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ

" دراصل ہمارے ملک کے لوگ اس قدر بے ایمان ہو گئے ہیں کہ بیان دے رہے ہیں کہ جمعہ کی چھٹی ختم کی جائے۔ کیونکہ اس سے قومی اقتصادیات اور معیشت پر بُرا اثر پڑ رہا ہے۔" یہ سب جھوٹ ہے کوئی نقصان نہیں ہو رہا۔ ثابت کر سکتا ہوں کہ پہلے سے کام زیادہ ہو رہا ہے یہ سب دھوکہ ہے اور فریب ہے کہ نقصان ہو رہا ہے۔ ایک طرف تو ہم اسلامی نظام کے نفاذ کی باتیں کر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک سے تعلقات بڑھا رہے ہیں ان سے امداد کے طالب ہیں اور دوسری طرف اسلامی روایات کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

اس کے بعد بات قومی اتحاد، اسلامی نظام اور تحریکِ پاکستان کے مخالفین کی چھڑ گئی۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے " نیتوں کا حال تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ مجھ سے لندن میں یہ سوال کیا گیا تھا۔ دراصل ہم ماضی کے بجائے حال کو دیکھتے ہیں اور جو لوگ اس وقت کہتے ہیں کہ ہم پاکستان کے حامی ہیں وہ خود سوچیں اور اپنی فکر کے تضاد پر غور کریں۔ چٹان مولانا ابوالکلام آزاد کی تعریف میں صفحے کے صفحے سیاہ کر رہا ہے ان میں سے بعض جماعتیں ایسے افراد کی وکالت کرتی ہیں جو مرتے دم تک پاکستان کے حامی نہیں ہوئے اسی طرح حکومت کہتی کچھ ہے اور کرتی کچھ ہے۔ ان کے قول و فعل کے اس تضاد کا کیا کیا جائے۔"

ڈاکٹر صاحب نے بات ختم کی تو ان کی کتاب " علماء ان پالیٹکس " کے بارے میں استفسار کیا گیا تو ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ۔

" اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا وہ سب یکطرفہ تھا۔ میرے پاس موجود مواد سارے کا

سارا دیوبندیوں کے بارے میں تھا اس لئے لکھتا گیا۔ میں نے ایک تقریب میں کہا تھا کہ تاریخ کو موردِ الزام نہ ٹھہرائیں۔ تاریخ تو ایک حکم کا درجہ رکھتی ہے آپ شہادت پیش کریں تو وہ فیصلہ کرے گی۔ آپ شہادت تو پیش نہیں کرتے کچھ لکھتے اور بتاتے تو ہیں نہیں اور مورخ سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ کچھ لکھے۔ اب کچھ لٹریچر سامنے آیا ہے تو میں نے اس سے استفادہ کیا ہے اور مستقبل کا مؤرخ بھی استفادہ کریگا۔

ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا گیا کہ علماء اہلسنت کو اس قدر نظر انداز کیا گیا ہے اور غیروں نے اتنی شہادتیں سامنے رکھ دی ہیں کہ ان کی تردید کے لیے ایک عرصہ درکار ہے تو انہوں نے فرمایا کہ "تردید کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی ہوا اُسے مثبت انداز میں پیش کریں اب کچھ لکھا جا رہا ہے۔ میں نے بھی خطوط لکھ کر مواد اکٹھا کیا ہے اور وہ میرے کام آیا اور میں سمجھتا ہوں کہ مستقبل کے مؤرخین اسے بنیاد بنائیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی جانب سے تحریک ترکِ موالات کی مخالفت کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا "کہ اس مخالفت کا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوؤں کا اثر و رسوخ بڑھے اور مسلمانوں سے ان کا اس قدر زیادہ میل جول ہو۔ یہ بات انہوں نے انگریز دوستی کی بنا پر نہیں کہی تھی بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو انگریزوں سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا ہندوؤں سے ہے"

لیکن ڈاکٹر صاحب بعض لوگ اُسے انگریز دوستی قرار دیتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "یہ خیال غلط ہے۔ اس لیے یہ کہا جائے کہ جو کچھ انہوں نے کیا انگریز دوستی میں کیا۔ اس سے کیا۔ یہ تو ایک فضول سی بات ہے۔ دراصل مسلمانوں میں اہلسنت کا طبقہ ہمیشہ سے اس بات کا مخالف رہا ہے کہ ہندوؤں کا مذہبی ثقافتی اور سیاسی اثر و رسوخ زیادہ ہو جائے یا مسلمانوں کا ان سے میل جول اس قدر بڑھ جائے۔ مگر کچھ لوگ اس کے حامی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی جو

اس سلسلے میں بہت آگے بڑھ گئے تھے ان سے مولانا احمد رضا خان نے توبہ کرائی۔

ایک بار میں نے مولانا فاخر الہ آبادی سے جو ترک موالات میں شریک تھے یہ پوچھا کہ مولانا یہ بریلی کے لوگ ترکِ موالات کی کیوں مخالفت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میاں بات یہ ہے کہ بریلی کی مثال ایک معلم کی سی ہے جو ایک قمچی (چھڑی) لیے بیٹھا ہے اور طالب علموں کی غلط بات پر ان کو ٹوکتا رہتا ہے۔

مولانا احمد رضا خان نے ترکِ موالات کی مخالفت اصولی بنیادوں پر کی تھی اور وہ اس بات کے شدت سے مخالف تھے کہ ہندوؤں سے تعلقات کو اس حد تک فروغ دیا جائے کہ ان کے رسم و رواج اپنا لئے جائیں حتیٰ کہ ذبیحۂ گاؤ تک پر پابندی عاید کر دی جائے مولانا اس قسم کی ہندو دوستی کو فقہی اعتبار سے غلط تصور کرتے تھے۔ اور اس کو اگر کوئی انگریز دوستی کہتا ہے تو یہ اس کی کم فہمی ہے۔

اب بات قائد اعظم پیپرز کی ہو رہی تھی لہٰذا بات ہی بات میں قائد اعظم اور مولانا اشرف علی تھانوی کے درمیان خط و کتابت کا تذکرہ بھی چھڑ گیا اور ساتھ ہی خط و کتابت کے ذریعے نماز اور اسلامی طریقے سکھانے کی حقیقت پر ڈاکٹر صاحب نے اظہار خیال فرمایا

"میں نے قائد اعظم پیپرز کا بالاستیعاب مطالعہ تو نہیں کیا اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے مسلم لیگ کا تمام ریکارڈ دیکھا ہے۔ پہلے اس ریکارڈ کو جو ہے کہا ہے تھے میں نے لوگوں کو اس کام پر لگایا کہ وہ اسے مرتب کریں دو چار علماء کے علاوہ دیوبندیوں کا باقی ماندہ حصہ تو ہندوؤں میں بالکل مدغم ہو چکا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی قائد اعظم کے نہ تو مقربین میں تھے اور نہ ہی یہ بات درست ہے کہ انہوں نے خط و کتابت کے ذریعے نماز اور اسلامی اصول اور طریقوں سے انھیں آگاہ کیا۔ قائد اعظم مسلمان تھے ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

بات نظریۂ پاکستان سے عوام کی عدم واقفیت کی ہوئی تو ڈاکٹر صاحب گویا ہوئے

کہ " اس میں نظریۂ پاکستان کے حامیوں کا قصور ہے کہ انہوں نے اس کی پوری طرح تشریح عوام کے سامنے نہیں کی۔ یہ نظریۂ پاکستان کا قصور نہیں ہے۔ ایسے بہت سے مسلمان ہیں جنہیں کلمہ تک نہیں آتا۔ نماز نہیں آتی اور وہ عجیب و غریب خیالات کے مالک ہیں۔ دہلی کے مضافات میں ایک مقام میوات تھا جہاں کے اکثر لوگ کلمہ نہیں جانتے تھے جہاں سے یہ تبلیغی تحریک چلی ہے بعض لوگوں نے تبلیغ کے معنی یہ سمجھ لیے ہیں کہ گھر سے باہر نکلے اور تبلیغ شروع کر دی۔ مولویوں سے تبلیغ نہیں ہو سکتی ان کا کام تو پڑھانا ہے۔ تبلیغ کرتے تھے صوفیاء۔ انڈونیشیا، برصغیر اور دیگر ممالک میں ہر جگہ صوفیاء کرام نے تبلیغ اسلام کی ہے۔ یہ مولویوں کے بس کی بات نہیں۔

جب علماء کی بات چلی تو قائداعظم سے ملنے والے علماء کا تذکرہ بھی آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں۔ قائداعظم سے زیادہ نہیں ملتا تھا۔ علماء میں سے بھی زیادہ لوگ قائداعظم سے نہیں ملتے تھے۔ ایک جماعت تو علماء کی ایسی تھی جو مخالف تھی، علماء دیوبند کا بہت بڑا گروہ ایسا تھا جو قائداعظم کا سخت مخالف تھا۔ علماء بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے قائداعظم بھی مصروف تھے ان سے ملنا بھی بہت مشکل تھا۔

مولانا عبدالحامد بدایونی تو میرے دوست تھے ترکِ موالات میں میں نے انہیں رہنما کی حیثیت سے بہت کام کرتے دیکھا ہے۔ تحریکِ پاکستان میں چونکہ میرا تعلق ایک یونیورسٹی سے تھا۔ دہلی یونیورسٹی ہندوؤں سے زیادہ ہندو تھی۔ الہ آباد اور علی گڑھ یونیورسٹی کے علاوہ کسی اور یونیورسٹی میں مسلمانوں کا اتنا عمل دخل بھی نہیں تھا جتنا کہ میں نے دہلی یونیورسٹی میں حاصل کر لیا تھا۔ میری کارکردگی اور تاریخ نویسی کی وجہ سے یہ بات مشہور تھی کہ کوئی کام اس کے حوالے کر دو یہ کر دے گا۔

خدا کے فضل سے مخالفین کبھی مجھ پر غالب نہیں آئے۔ جب بھی ضرورت محسوس ہوتی میں قائداعظم سے ملتا تھا بلکہ قائداعظم سے زیادہ لیاقت علی سے ملتا۔ کیونکہ ان سے ملنے میں

شہرت نہیں ہوتی تھی قائد اعظم سے ملنے میں شہرت ہوتی تھی۔

اب تحریک پاکستان میں علمار کی اجتماعی جدوجہد کی بات چل نکلی تو سنی کانفرسوں کے انعقاد سے تحریک پاکستان کو جو تقویت پہنچی اس پر بھی ڈاکٹر صاحب نے اظہارِ خیال فرمایا۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی مولانا عبدالحامد بدایونی اور دیگر علمار نے سنی کانفرنسیں منعقد کر کے تحریک پاکستان کی حمایت کی اور اپنے مکتبِ فکر کے علمار اور عوام کو اس کی حمایت پر آمادہ کیا یقیناً ان علمار کی اس جدوجہد سے تحریک پاکستان کو تقویت پہنچی کیونکہ ان علمار کا اثر تھا اور کافی اثر تھا ______ ۔ ایک طبقہ ایسا تھا جو مولویوں سے بیزار تھا اور سیاسی طور پر قائد اعظم کا ہمنوا تھا، مولویوں سے بیزاری کا سبب بھی دراصل یہی تھا کہ علمار دیوبند کی طرف سے انہیں مایوسی ہوئی۔ میں جب کیمبرج میں تھا تو میں یہ توقع کرتا تھا کہ ہندوستان میں جب اس تحریک کو چلایا جائے گا تو علمار اس کی بھرپور حمایت کریں گے میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ علمار اس کی مخالفت کر رہے ہیں اصل میں علمار نے ساتھ دیا تو فائدہ ضرور پہنچا۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر علمار ساتھ نہ بھی دیتے تو بھی مسلمان اپنے فائدے اور نقصان کو سمجھتے تھے۔ تحریک پاکستان کے لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی خاص طبقہ کو اپنے ساتھ منسلک کرلیں کیونکہ وہ یہ تاثر بھی نہیں دینا چاہتے تھے کہ علمار دیوبند ہمارے مخالف ہیں وہ تو یہ کہتے تھے کہ مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔ اس قسم کے نعروں نے اس دور میں بڑا کام کیا۔

رفتہ رفتہ بات علمار سے مشائخ اور صوفیا کی تحریک پاکستان میں خدمات اور کردار کی طرف منتقل ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہنا شروع کیا۔

صوفیار و مشائخ گوشہ نشین لوگ ہیں چونکہ شروع شروع میں خاموشی تھی اس لیے انہوں نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ اور انہیں ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن جب حالات بدلنا شروع ہوئے تو آہستہ آہستہ صوفیار و مشائخ بھی میدان میں اتر آئے جب ان کی نظر

میں یہ بات اچھی طرح سما گئی کہ یہ معرکۂ کفر و اسلام ہے تو انہوں نے تحریکِ پاکستان کی بھرپور حمایت کی ان میں پنجاب سرحد اور برصغیر کے اکثر مشائخ اور صوفیا رشامل ہیں۔

مخالفین تحریک پاکستان، پاکستان کی مخالفت میں کیا دلائل دیتے تھے اس سوال کا جواب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب نے یوں دیا۔

"وہ یہ کہتے تھے جیسا کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا خیال تھا کہ آپ لوگوں میں یہ اہلیت نہیں ہے۔ چونکہ دہلی ان لوگوں کا مرکز تھا اور خاص طور پر جمعیت علمار ہند کے لوگ دو باتیں کہتے تھے۔ ایک تو یہ کہ آپ لوگ خود اسلام سے ناواقف ہیں آپ کیا اسلامی حکومت قائم کریں گے، دوسری بات یہ کہتے تھے کہ آپ لوگ جو کام کر رہے ہیں اس سے انگریزوں کو تقویت پہنچ رہی ہے، علمار دیوبند پر تقلید کا ایسا بھوت سوار تھا کہ مولانا محمود الحسن نے ایک زمانے میں جو کچھ کہا تھا انہوں نے اسے اپنا نصب العین بنا لیا یہ نہ سوچا کہ اب زمانہ بدل چکا ہے یہ نہ سوچا کہ اب انگریز جانے والا ہے، یہ نہ سوچا کہ ہندو کا غلبہ ہونے والا ہے بلکہ وہ کہتے تھے کہ ہندوؤں نے تو اتنا عرصہ ہماری غلامی کی ہے ہم انھیں مسلمان بنا لیں گے۔ بڑے بڑے عجیب خیالات تھے انھیں تو کچھ اندازہ ہی نہ تھا موجودہ دنیا کا۔ پتہ نہیں وہ کس دنیا میں رہتے تھے ایک بات وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمان تو اب اتنا گیا گذرا ہے کہ اس سے کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک ان میں یہ احساس کمتری تھا۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر مسلمان کو بیدار کیا جائے تو مسلمان بہت کام کر سکتا ہے اسے خوابِ غفلت میں رکھیں گے تو یہ کام نہیں کر سکے گا" ڈاکٹر صاحب نے تحریک پاکستان کے مخالفین اور کانگریس سے ان کے تعاون کی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ :۔

مخالفین تحریک پاکستان کانگریس سے اس لیے تعاون کر رہے تھے کہ وہ انگریزوں کے خلاف تھی۔ وہ خلافت کے زمانے کا پرانا خیال اور نظریہ دہراتے رہے کہ انگریز جزیرۃ العرب پر بھی اس لیے قابض ہو رہا ہے کہ برصغیر پر اس کا قبضہ ہے، اسلامی دنیا کا بڑا حصہ انگریزوں کا غلام اس لیے

ہوتا جا رہا ہے کہ برصغیر انگریزوں کے قبضے میں ہے، یہ باتیں اس زمانے میں درست تھیں کہ انگریز کو ہندوستان کے راستے مضبوط کرنے تھے اور اس لیے وہ اپنے اقتدار کو بڑھا سکتا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے اسے ضرورت سے زیادہ سادہ کر دیا۔ صرف یہی سبب نہیں تھا انگریز کا خیال تھا کہ یہاں سے تیل نکلے گا اور معدنیات نکلیں گی اس لیے ہمارا قبضہ باقی رہے تو اچھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اسباب بھی اسلامی دنیا پر قبضہ کرنے کے تھے مشنری جوش بھی تھا کہ مسلمانوں کو نیچا دکھایا جائے چنانچہ ایلن بی نے جب بیت المقدس پر قبضہ کیا تو اس نے کہا کہ آج ہم نے صلیبی جنگوں کا مقصد پورا کر لیا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ان میں ایسا کوئی جذبہ نہیں تھا غلط ہے۔ وہ اسلام کو نیچا دکھانا چاہتے تھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انگریز اسلام کے دوست نہیں اسلام کے دشمن تھے۔ اس کی وجہ سے وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنا غلام رکھنا چاہتے تھے لیکن خود انگریز کے چھکے چھوٹ گئے تھے وہ جانے والا تھا اور اس کی طاقت جلد ختم ہو رہی تھی۔"

قائد اعظم شروع شروع میں ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے قائد اعظم کو اپنے خیالات بدلنا پڑے، اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ۔

"شروع میں قائد اعظم کا یہ خیال تھا کہ ایک آزاد مملکت جس میں مسلمان بھی آباد ہوں بن جائے تو اچھا ہے، مگر جب ترکِ موالات کی تحریک ناکام ہوئی اور ہندو میدان میں نکل آئے اور انہوں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں چلائیں ہندو مسلم فسادات ہوئے تو مسلمانوں نے سوچا کہ یہ ہمارے دوست نہیں ہو سکتے ہندوؤں کے عزائم مسلمانوں پر ظاہر ہوئے اس کے بعد مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، قائد اعظم اور دیگر مسلم رہنما ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار ہو گئے، لیکن افسوس کہ جمعیت علماء ہند کے لوگوں نے اس سے سبق حاصل نہیں کیا وہ ایسے لکیر کے فقیر تھے کہ انہوں نے سوچا کہ اس زمانے میں جو بات کی تھی اب بھی وہی ہے، حالانکہ دنیا اس قدر جلد بدل رہی تھی اور انگریز کا اقتدار اس قدر جلد جا رہا تھا کہ اس کے بعد مسلمان ویسے کا ویسا ہی رہ جاتا۔

قومی اتحاد کے صدر مفتی محمود نے ٹی وی انٹرویو میں کہا تھا کہ جمعیت علماء ہند بھی مسلمانوں کی بہتری

کے لیے ایک نصب العین رکھتی تھی اور مسلمانوں کی آزادی کے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے مفتی محمود کے اس ارشاد کے بارے میں فرمایا کہ یہ غلط ہے جمعیت نے کوئی راستہ متعین نہیں کیا تھا، میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں لیکن ان کا جو نظریہ تھا وہ یہ تھا کہ نظام قضاۃ قائم ہو جائے، مولویوں کی حکومت عام مسلمانوں پر ہو اور مسلمان غلام رہے یہ ان کا نظریہ تھا، مسلمانوں کی مکمل آزادی، فلاح اور بہتری کے لیے جمعیت علمار ہند نے کوئی لائحہ عمل مرتب نہیں کیا تھا۔

میاں طفیل محمد کے ٹی وی انٹرویو کے بارے میں جس میں انہوں نے یہ کہا تھا کہ مولانا مودودی نے تحریک پاکستان اور قائداعظم کی کبھی مخالفت نہیں کی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں تو مولانا مودودی سے بہت عرصہ سے واقف ہوں میرے اور ان کے بہت اچھے تعلقات ہیں ان کی بہت سی چیزوں کی میں قدر کرتا ہوں لیکن یہ کہ انہوں نے پاکستان کی مخالفت نہیں کی، اس کے کچھ اسباب تھے، یہ خیال غلط ہے کہ مودودی صاحب نے تحریک پاکستان کی مخالفت نہیں کی، پاکستان کی تو انہوں نے کھل کر مخالفت کی تھی، بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی میں آخر وقت مفاہمت ہو گئی تھی اور اگر ارمغانِ حجاز خود اقبال مرتب کرتے تو وہ ان اشعار کو اس سے نکال دیتے جو انہوں نے حسین احمد مدنی کے بارے میں کہے تھے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہمارے پاس جو ارمغان حجاز ہے اس میں تو وہ اشعار موجود ہیں، مولانا حسین احمد مدنی نے دہلی کی ایک مسجد میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں جب علامہ اقبال نے یہ سنا تو انہوں نے اپنے مشہور اشعار ؏

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ

کہے، لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے توجیہات کو قبول کر لیا تھا تو جب تک ہمارے پاس ثبوت نہ ہو ہم کیسے اسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ اقبال کی تحریروں سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ ایسی مفاہمت ہو گئی تھی اگر مفاہمت ہو گئی تھی تو یہ عجیب بات ہے کہ ارمغانِ حجاز ان کی زندگی میں ہی مرتب ہوئی

اور شائع ہوئی اگر وہ چاہتے تو ان اشعار کو نکلوا دیتے، لیکن یہ اشعار اب تک موجود ہیں۔ چونکہ وقت کافی ہو چکا تھا۔ اس لیے ہم نے ڈاکٹر صاحب سے اجازت لی اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئے۔

قائداعظم کے رفیق کار

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا شمار قائداعظم کے معتمد ترین ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ خبر رساں ایجنسی اے اے پی کی ایک اطلاع کے مطابق ۱۹۳۰ء میں جو رہنما قائداعظم کو ہندوستان واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے برطانیہ گئے تھے اُن میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی بھی شامل تھے۔ مسلم لیگ کی تنظیم نو کے بعد قائداعظم کی اہم تقاریر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح شہید ملت لیاقت علی خان کی تقاریر بھی ڈاکٹر قریشی نے لکھی تھیں۔ ایک روایت کے مطابق "قرارداد مقاصد" کا مسودہ بھی ڈاکٹر قریشی نے تیار کیا اور اردو میں اس کا مستند ترجمہ بھی انھوں نے ہی کیا تھا۔

انٹرویو-۲

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا ایک یادگار انٹرویو جو ہفت روزہ افق کے سابق ایڈیٹر حاجی احمد مجاہد نے تحریر کیا۔ یہ انٹرویو ہفت روزہ "افق" کی اشاعت ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا تھا۔

ممتاز ماہر تعلیم اور سابق مرکزی وزیر تعلیم، اطلاعات و آباد کاری برائے مہاجرین ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے تحریک پاکستان سے اپنی وابستگی کے بارے میں کہا کہ جب میں کیمبرج کا طالب علم تھا اس زمانے میں چوہدری رحمت علی مرحوم کی تحریک کیمبرج میں بڑے زوروں پر تھی اور میں بھی کافی بحث و مباحثہ کے بعد اس میں شامل ہو گیا اور آخر وقت تک تحریک پاکستان میں میری شرکت رہی یعنی اسی وقت سے پاکستانی عقائد رکھتا ہوں جب کہ ابھی تک مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے قائد اعظم سے ملاقات اور اس سلسلے میں ایک یادگار واقعہ کا ذکر کرتے

ہوئے کہا کہ قائدِ اعظم بھی دہلی میں تھے اور لیں بھی لہٰذا میں اکثر ملتا رہتا تھا انہوں نے کہا کہ یادگار واقعہ یہ ہے کہ اینگلو عربک کالج (دہلی کالج) میں تقریریں ہوئیں قائد اعظم بھی موجود تھے طلباء نے اپنی تقریروں میں یہ مطالبہ کیا کہ قائد اعظم کو چاہیئے کہ وہ نوجوانوں کو اپنے ساتھ شامل کرلیں اور ان کو تربیت دیں۔ قائد اعظم کے مزاج میں یہ بات شامل تھی کہ وہ فضول بات کسی کو نہیں کرنے دیتے تھے لہٰذا قائد اعظم نے اپنی تقریر میں نوجوانوں کو مخاطب کر کے کہا "آپ آگے آئیں میرا ہاتھ بٹائیں اور کام بھی تو کریں۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اس تاثر کو بے بنیاد قرار دیا کہ ۱۹۴۰ء ہی میں دو آزاد ریاستوں کی بنیاد رکھ دی گئی تھی اور قائد اعظم کے ذہن میں بھی دو آزاد مسلم ریاستوں کا تصور تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ پروپیگنڈہ غلط اور سراسر افتراء ہے اور یہ ان لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو پاکستان کو توڑنے کے درپے رہے ہیں۔ ڈاکٹر قریشی نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ قائد اعظم اور دیگر مسلم زعماؒ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہ علاقے مسلمانوں کی حکومت میں ہوں۔ اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ بہت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں مسلمان تقسیم ہو جائیں۔ قائدِ اعظم دشمن کے مقابلے میں چھوٹی اور کمزور وسائل والی حکومت کو بھلا کس طرح پسند کرتے۔

قیامِ پاکستان کے بعد اسلامی آئین کے سلسلے میں قائدِ اعظم اور قائدِ ملت لیاقت علی خان کی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اسمبلی کی دو حیثیتیں تھیں ایک معمولی نوعیت کی قانون سازی اور دوسری آئین سازی۔ چونکہ بے حد مسائل تھے۔ لہٰذا وہ پوری توجہ آئین سازی کی طرف مبذول نہیں کر سکے۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ لیاقت علی خان کی شہادت سے پہلے (۱۹۵۱ء) چار سال کے عرصے میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے ایک مسودہ تیار کیا تھا اور ایک آئین منظور بھی کیا تھا لیکن وہ ہمارے آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے نافذ نہ ہو سکا کیونکہ ہمارے بنگالی لیڈر یہ سمجھتے تھے کہ جو حقوق انھیں ملنے چاہیئے تھے۔ وہ انھیں نہیں ملے تھے اسی دوران جب قائدِ ملت ڈھاکہ تشریف لے گئے تو میں بھی ان کے ہمراہ تھا وہاں مسلم لیگ کا ہنگامہ خیز اجلاس

ہوا اور اس مسودہ پر سخت اعتراضات کیے گئے ۔ ان کا مطالبہ تھا کہ آبادی کے لحاظ سے ان کی برتری پورے پاکستان پر قائم ہو ۔ ہم یہ کہتے تھے کہ ہندوؤں کی تعداد کو نکال دیں تو دونوں حصوں کے مسلمانوں کی تعداد برابر ہو جائے گی ۔ پھر بھی وہ رضامند نہ ہوئے اور رپورٹ واپس لینی پڑی ۔ اس کے بعد خواجہ ناظم الدین کے زمانے میں ایک آئینی رپورٹ پیش ہوئی ۔ وہ اسمبلی نے منظور کی لیکن اس پر بھی بہت سے جھگڑے پیدا ہو گئے ۔ اس طرح لوگوں کی بے شعوری کی وجہ سے پاکستان میں آئینی تعطل رہا ۔

ڈاکٹر صاحب نے آئینی تنازعات کو بنگلہ دیش کے قیام کا محرک قرار دینے کی تردید کی انہوں نے کہا کہ اصل بات یہ نہ تھی کیونکہ دستور ساز اسمبلی میں بنگالیوں کی اکثریت تھی اور وہ جو چاہتے کر سکتے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کی ایک بڑی لابی تھی ۔ انہوں نے کبھی حالات کو سدھرنے ہی نہیں دیا ۔ جبکہ مسلمانوں کی ہمیشہ یہ فطرت رہی کہ وہ بنگال میں ہوں یا افغانستان میں یا کسی اور جگہ ۔ وہ کبھی اپنے فائدے کی بات نہیں سمجھتے اور غیروں کے بہکاوے میں آجاتے ہیں ۔ سلطنت عثمانیہ یوں ہی برباد ہوئی ۔ جب تک مسلمان خود اپنے فائدے کو نہیں سمجھیں گے نقصان ہی اٹھاتے رہیں گے ۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ قائداعظم کبھی سیکولرزم کے حامی نہیں رہے ۔ اور قیام پاکستان کے بعد ان کی جس تقریر کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ دستور ساز اسمبلی میں ہوئی تھی اور میں خود اس میں موجود تھا انہوں نے کہا تھا کہ آزاد ملک کے شہری کی حیثیت سے آپ اس ملک میں موجود ہیں ۔ تو شہری کی حیثیت سے ہر ایک کے حقوق برابر ہیں ۔ چاہے آپ کسی بھی مذہب کے پیروکار کیوں نہ ہوں اور اس بنیاد پر دستور میں کوئی شق ایسی نہیں ہوگی جس سے کہ کسی کو نقصان پہنچے ۔ انہوں نے کہا کہ قائداعظم ہمیشہ اسلام کا نام لیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ پاکستان ہم اس لیے چاہتے ہیں کہ اس کو ہم اسلام کی تجربہ گاہ بنائیں گے اور یہ ثابت کر سکیں گے کہ اسلام کے اصول اس بیسویں صدی میں بھی ایسے ہی قابل عمل ہیں جیسے ابتدا میں تھے ۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے تحریک پاکستان میں علماء، طلباء، تاجروں اور سیاستدانوں کے کردار کا اجمالی تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ علماء کی دو جماعتیں تھیں ایک پاکستان کے حق میں تھی اور دوسری پاکستان کی مخالف۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان مخالفت کی ابتداء اس وقت ہوئی جب ۱۹۳۸ء میں دہلی کی جنگل والی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے مولانا حسین احمد مدنی نے کہا کہ دنیا میں جتنی بھی قومیں بنتی ہیں ان کی بنیاد وطنیت ہے، مذہب نہیں۔ چونکہ یہ بات علامہ اقبال اور اسلام کے فلسفے سے متصادم تھی۔ لہذا علامہ اقبال نے وہ مشہور اشعار کہے ؎

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ

ز دیوبند حسین احمد چہ بوالعجی است

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است

چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

ڈاکٹر صاحب نے اس بات کی تردید کی کہ علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان اختلافات افہام و تفہیم کے ذریعے طے ہو گئے تھے۔ بلکہ مولانا مدنی نے علامہ اقبال کی تحریروں پر تاویلوں کے انبار لگا دیئے تھے اس سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ وہ اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹ گئے تھے جبکہ حقیقت میں جمعیت علماء ہند کے لوگ کبھی اپنے مؤقف سے پیچھے نہیں ہٹے۔

ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا کہ دیوبندی علماء میں علامہ شبیر احمد عثمانی، پاکستان کی تحریک میں شامل تھے جبکہ اہلسنت کے بیشتر علماء نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی، علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی، مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، سید محمد محدث کچھوچھوی۔ پیر صاحب مانکی شریف، مولانا ابوالحسنات قادری وغیرہ پیش پیش تھے۔ ڈاکٹر قریشی نے شاہ عبدالعلیم

صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں ان کا بے حد احترام کرتا تھا وہ اپنی ذات میں بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ مولانا سے میری دو ملاقاتیں یادگار رہیں گی۔ پہلی اس وقت جبکہ آپ کی آنکھ میں سخت تکلیف تھی لیکن مولانا پھر بھی اپنے تحریکی کام میں بہت مصروف تھے دوسری بمبئی میں نماز عید الضحیٰ کے موقع پر جبکہ آپ نے نماز کی امامت کے بعد یہ پُر اثر دعا فرمائی تھی "یا اللہ تو ہمیں اس ذلت سے بچا کہ ہم غلاموں کے غلام بن جائیں"۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مولانا عبدالستار خاں نیازی اور خواجہ قمر الدین سیالوی احراری ہرگز نہیں تھے بلکہ انہوں نے تحریک پاکستان میں بہت کام کیا ہے اور یہ حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ تحریکِ پاکستان میں طلبا نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ علیگڑھ کے طلبا نے سندھ میں آکر کام کیا اور اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ تاجروں کا ایک گروپ تھا جس نے بوقتِ ضرورت اعانت کی اور بعض تاجر شدت سے تحریک پاکستان میں حصہ لے رہے تھے مثلاً اصفہانی وغیرہ۔ سیاست دانوں کے دو گروہ تھے سوا د اعظم قائد اعظم کے ساتھ تھا اور باقی لوگ کانگریسی تھے۔

ایک یادگار مجلسِ مذاکرہ

انجمن طلبہ اسلام کراچی کی جانب سے
۶ر فروری ۱۹۷۸ء کو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان
کی یاد میں منعقد ہونیوالے ایک مذاکرہ کی رپورٹ۔ جسے
روزنامہ نوائے وقت کراچی کے سب ایڈیٹر حاجی احمد
مجاہد نے ماہنامہ فیضان لاہور کے لیے تحریر کیا۔ یہ رپورٹ
ماہنامہ فیضان لاہور کے مارچ ۱۹۷۸ء کے شمارے میں
شائع ہوئی تھی۔

۶ر فروری کو شام ساڑھے چار بجے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی یاد میں انجمن طلبۂ اسلام (پاکستان) کراچی کی جانب سے مقامی ہوٹل میں مجلسِ مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا جس میں کراچی اور ملک کے دوسرے علاقوں کی بہت سی علمی، ادبی، مذہبی اور سیاسی شخصیتوں نے شرکت کی۔

مجلسِ مذاکرہ کی صدارت پروفیسر شاہ فرید الحق نے کی جبکہ مہمانِ خصوصی ملک کے ممتاز ماہر تعلیم، مؤرخ اور کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی تھے۔

مجلسِ مذاکرہ کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ قاری محمد علی نے سورہ الرحمٰن کی تلاوت کی ان کی پر اثر قرأت سے سامعین جھومنے لگے۔ تلاوت کے بعد فیصل آباد کے طالب علم صاحبزادہ عطار المصطفےٰ نے اعلیٰحضرت فاضل بریلویؒ کی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی۔

مذاکرہ کے پہلے مقرر انجمن طلبار اسلام پاکستان کے مرکزی جنرل سیکرٹری محمد عثمان خان نوری تھے انہوں نے خطاب کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی انہوں نے کہا کہ علم و فضل کے آسمان جو پر ستارے چمکے ان میں اعلیٰ حضرت سورج کی مانند جگمگا رہے ہیں اور تاریخ اسلام میں علامہ شامیؒ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو اتنے علوم پر بیک وقت حاوی ہو۔

مجلسِ مذاکرہ کے دوسرے مقرر ممتاز ادیب و صحافی خواجہ رضی حیدر نے "اعلیٰحضرت اور ندوۃ العلمار" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰحضرتؒ نے ایسے وقت آنکھ کھولی جب کہ مغلیہ سلطنت کا سورج غروب ہو رہا تھا۔ اس نازک دور میں حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد اعلیٰحضرت نے امتِ مسلمہ کی پوری توانائی کے ساتھ رہنمائی کی۔ انہوں نے کہا کہ اعلیٰحضرت نے ندوۃ العلمار کے قیام کے لئے اور مدرسوں کے نصاب کی اصلاح کے لیے بھرپور کوشش کی لیکن جب ندوۃ العلمار پر نیچری اور غیر مقلد علمار کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے افتراق و تفریق سے کام لیا تو اعلیٰ حضرت نے اس کی نشاندہی فرمائی اور علمار سے اپیل کی کہ وہ اس سے علیحدہ ہو جائیں آخر کچھ عرصہ بعد مولانا رشید گنگوہی نے بھی فتویٰ کے ذریعہ ندوۃ العلمار سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اسی طرح ترکِ موالات کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے جو موقف اختیار کیا بعد میں مولانا اشرف علی تھانوی نے فتویٰ کے ذریعے اس کی بھرپور تائید کی انہوں نے کہا کہ اعلیٰحضرت کا موقف آفاقی تھا۔ اس لیے ہر کوئی ان کی تائید پر مجبور تھا۔

ممتاز ادیب و صحافی سجاد میر نے کہا کہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کو اپنا امام و پیشوا مانتا ہوں اور میرے خیال میں وہ اپنے وقت کے امام ابو حنیفہ تھے کیونکہ انہوں نے سواد اعظم کے نظریات کو مجتمع کیا اور اپنی جانب سے کوئی نیا نظریہ پیش نہیں کیا اور نہ ہی اس کی اپنی مرضی سے تعبیر و توضیح پیش کی بلکہ اجماع امت کے نظریے کے تحت بعینہ اسی نظریہ کی وضاحت کی جو کہ سواد اعظم اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نظریہ تھا۔

جناب سجاد میر کے بعد مہمانِ خصوصی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کی سیاسی اور مذہبی بصیرت پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالی انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ اعلیٰ حضرت کے جو کمالات تھے ان کا تذکرہ تاریخ میں نہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تاریخ نے انصاف نہیں کیا یا تاریخ انصاف نہیں کرنا چاہتی بلکہ ہمارے پاس مواد کی کمی تھی یہ درست ہے کہ اسلامی تاریخ کے متعلق جو لکھا گیا ہے اس میں حضرتؒ کے خیالات اور حالات کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وعظ و تبلیغ صرف تقریری طور پر کی گئی تحریری کام بہت کم کیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جب میں علماء اہلسنت کے موضوع پر تحقیق کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریکِ جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یکطرفہ ہے۔ اس موقعہ پر میں نے پروفیسر شاہ فرید الحق سے رجوع کیا اور ان کے ذریعے کچھ مواد حاصل کیا۔ انہوں نے کہا کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے دین اور ثقافت پر کاری ضربیں لگائیں مسلمانوں کا واسطہ دو قوموں یعنی انگریزوں اور ہندوؤں سے پڑا اور جس دن سے مسلمانوں نے برصغیر میں قدم رکھا تھا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ہندوؤں کی سازشوں اور تحریکوں کا مقابلہ کس طرح کیا جائے اور مسلمان اپنا تشخص کس طرح برقرار رکھیں۔ ہندوؤں کی زیادہ آبادی تھی اور مسلمان بہت کم تھے۔ اگر مسلمان ہندوؤں کے اثرات کو قبول کرتا تو اسلام سے دور ہو جاتا اور مسلمانوں کی یہی کوشش رہی کہ وہ ان اثرات

سے بچیں اور اپنا تشخص برقرار رکھیں۔ انہوں نے کہا کہ اس نازک دور میں جب کہ مسلمان اپنی بقاؔ کی جنگ لڑ رہے تھے مولانا حسین احمد مدنی نے دہلی کی مسجد میں جب یہ کہا کہ مسلمان اور ہندو ایک قوم ہیں کیونکہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں تو علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں اس غلط نظریہ کا فوراً رد کیا ۔

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

انہوں نے کہا کہ ملک، وطن، ثقافت، زبان قومیت کی بنیاد نہیں بلکہ ملت عقیدے اور ایمان سے بنتی ہے اور ایمان مقام یا رنگ و نسل کا پابند نہیں ۔

ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان کی عظمت ہے کہ انہوں نے اس مقام کو سمجھا لیکن ان کے مقام اور عظمت کو سمجھنے کے لیے علم کی ضرورت ہے انہوں نے کہا کہ نہ یہ میرا مقام ہے اور نہ میری اتنی قابلیت ہے کہ میں کچھ کہہ سکوں کیونکہ ان کے سامنے تو علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد زانوئے ادب طے کرتے ہیں انہوں نے اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ سیاست ان کی ایسی تھی کہ انہوں نے حقائق کو جان لیا ۔ انہوں نے کہا کہ میں خود تحریکِ ترکِ موالات میں شامل تھا آج جب میں سوچتا ہوں تو تمام واقعات میری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں ۔ اس وقت ایک ہی نگاہِ دوربیں تھی جو جانتی تھی کہ مسلمانوں کا تصادم انگریز کی بجائے ہندو سے ہوگا ۔ ان کا موقف درست ثابت ہوا ۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ کو خطوط لکھے اور انہیں کہا کہ مسلمان حد اعتدال سے بڑھ گئے ہیں ۔ انہیں افراط و تفریط سے بچنا چاہیئے ۔ اسی طرح مولانا شوکت علی کو لکھا کہ کام کرتے ہو تو اسلام کو ترک نہ کرو اور اصولوں پر تو قائم رہو ۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ ان کی اس ہدایت پر راہِ راست پر آگئے ۔ انہوں نے کہا کہ صحیح عقیدے پر

قائم رہنا ضروری ہے اور جو غیر متعلق ہیں ان کو بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان حقائق پر غور کریں

ڈاکٹر صاحب کے بعد اسلامک ایسوسی ایشن جرمنی کے سیکرٹری کمال ڈی ہنگر نے جرمن زبان میں تقریر کی جس کا اردو ترجمہ پاک سعودیہ کلچر ایسوسی ایشن کے صدر الحاج داؤد نے کیا۔ کمال ڈی ہلگر نے کہا کہ احمد رضا خان بریلویؒ ایک عظیم فقیہہ، محدث اور مفسرِ قرآن تھے۔ انہوں نے مختلف علوم پر ایک ہزار کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ عشقِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے بہت بڑے دشمن تھے۔

ان کے علمی کارناموں سے عرب وعجم کے تمام علمار نے استفادہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ جرمنی میں چودہ لاکھ مسلمان ہیں لیکن ان میں قریبی رابطہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں چار سال پہلے مسلمان ہوا تھا اور اسلام پھیلانے کے لیے کوشاں ہوں۔ مگر مالی وسائل اور کتابوں کی کمی نے بہت سی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دو سو کے قریب جرمن دوست اس سلسلے میں میری مدد کر رہے ہیں۔ اور جرمنی میں اسلام پھیلانا مشکل نہیں کیونکہ وہاں ہر طرح کی آزادی ہے۔

کراچی یونیورسٹی شعبۂ اردو کے پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے مجلسِ مذاکرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اعلیٰ حضرت کا شاعر کی حیثیت سے شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جس صف میں حضرت حسّان بن ثابت رضؓ، حضرت شرف الدین بوصیریؒ، قدسیؒ، حضرت امیر خسروؒ اور مولانا رومیؒ شامل ہیں انہوں نے کہا کہ اعلیٰ حضرتؒ کے کلام کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا کلام میلاد کی محفلوں اور سیرت کے جلسوں کے توسط سے ہر ایک فرد اور طبقے میں پہنچتا ہے۔ اور ہزاروں ایسے افراد جو ان کے عقیدے اور مسلک سے اتفاق نہیں رکھتے نعتیہ کلام نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا ہے۔ وہ کلام سن کر جھومتے ہیں۔ گویا اعلیٰ حضرت ان کے ذہنوں پر چھا گئے ہیں۔

آخر میں مجلسِ مذاکرہ سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر شاہ فریدالحق نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ اعلیٰ حضرت ذاتی شہرت کے طلبگار نہ تھے بلکہ انہوں نے جذبۂ عشق کے تحت بعض علمار کی توہین آمیز عبارت پر گرفت فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ اگر فریق ثانی اخلاص سے کام لیتا اور اردو کے چند جملوں کو جس میں کہ

تنقیصِ رسالت کا شائبہ تھا نکال دیتا تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔ اعلیٰ حضرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کا محور تصور کرتے ہیں کیونکہ قرآن و دین ان ہی سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں دعوت دیتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے علمی کارناموں کا تعصب کا پردہ ہٹا کر مطالعہ کیا جائے انہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص تعصب سے بالاتر ہو کر صرف اعلیٰ حضرت کے فتویٰ رضویہ کی پہلی جلد کا مطالعہ کرے تو وہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کس بلند مرتبے پر فائز تھے۔ آخر میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کے نواسے اور جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا تقدس علی خان نے دعا کی۔

(بشکریہ ہفت روزہ فیضان لاہور مارچ ۱۹۷۸ء)

مرتبہ :۔ خواجہ رضی حیدر

حالاتِ زندگی

ولادت :۔ رئیسہ ضلع ماہریرہ (یوپی) ہندوستان

تاریخ ولادت :۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۳ء

تعلیمی قابلیت :۔ پی ایچ ڈی (تاریخ) یونیورسٹی آف کیمبرج (برطانیہ) ۱۹۳۹ء

ایم اے (فارسی) یونیورسٹی آف دہلی (ہندوستان) ۱۹۲۹ء

ایم اے (تاریخ) یونیورسٹی آف دہلی (ہندوستان) ۱۹۲۸ء

بی اے آنرز (تاریخ) یونیورسٹی آف دہلی (ہندوستان) ۱۹۲۶ء

تعلیمی خدمات :۔ وزٹنگ فیلو ۔ یونیورسٹی آف کیمبرج (برطانیہ) ۷۳ ۔ ۱۹۷۲ء

وائس چانسلر ۔ یونیورسٹی آف کراچی (پاکستان) ۷۱ ۔ ۱۹۶۱ء

ڈائرکٹر ۔ سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ کراچی ۶۲ ۔ ۱۹۶۰ء

وزٹنگ پروفیسر۔ ڈپارٹمنٹ آف ہسٹری کولمبیا یونیورسٹی

نیویارک (امریکہ) ۶۰ - ۱۹۵۵ء

پروفیسر تاریخ :۔ یونیورسٹی آف پنجاب (لاہور) پاکستان ۴۹ - ۱۹۴۸ء

سربراہ کلیہ فنون۔ یونیورسٹی آف دہلی (ہندوستان) ۴۷ - ۱۹۴۴ء

پروفیسر شعبۂ تاریخ :۔ یونیورسٹی آف دہلی (ہندوستان) ۴۷ - ۱۹۴۳ء

ریڈر شعبۂ تاریخ :۔ یونیورسٹی آف دہلی (ہندوستان) ۴۲ - ۱۹۴۰ء

لیکچرار تاریخ :۔ سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی (ہندوستان) ۳۹ - ۱۹۲۸ء

آپ کو اردو، انگریزی، فارسی، عربی، اطالوی اور فرانسیسی زبان پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ خصوصاً انگریزی اور اردو پر آپ کی بے پناہ مہارت کی بنا پر برطانوی دانشور آپ کو Bilingual Man کہا کرتے تھے۔

عہدے :۔ رکن :۔ کونسل آف دی پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز ۷۳ - ۱۹۴۷ء

صدر :۔ پاکستان پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن ۷۲ - ۱۹۵۱ء

نائب صدر :۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۶۷ - ۱۹۵۴ء

مشیر :۔ قومی تعلیمی کمیشن (پاکستان) ۱۹۵۸ء

رکن :۔ ایڈوائزری کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی ۶۴ - ۱۹۶۲ء

صدر :۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۷۶ - ۱۹۶۷ء

رکن :۔ نیشنل کمیشن برائے مین پاور اینڈ ایجوکیشن (پاکستان) ۶۹ - ۱۹۶۸ء

وائس چیئرمین :۔ انٹرنیشنل ورلڈ یونیورسٹی سروس جنیوا (سوئٹزرلینڈ) ۶۴ - ۱۹۶۲ء

انٹرنیشنل چیرمین:۔ ورلڈیونیورسٹی سروس، جنیوا

(سوئٹزرلینڈ) ۷۰ - ۱۹۶۶ء

صدر:۔ پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف سینٹرل اینڈ

ویسٹ ایشین اسٹڈیز ۸۰ - ۱۹۷۰ء

سیٹو لیکچرار:۔ ۱۹۶۱ء

رکن:۔ نیشنل کمیشن برائے آرکائیو اینڈ ہسٹاریکل ریکارڈ۔

۷۱ - ۱۹۷۰ء

دیگر عہدے:۔

رکن:۔ دستور ساز اسمبلی (پاکستان) ۵۴ - ۱۹۴۷ء

رکن:۔ حکومتِ پاکستان ۵۴ - ۱۹۴۹ء

ڈپٹی منسٹر:۔ حکومتِ پاکستان ۱۹۴۹ء

منسٹر آف اسٹیٹ:۔ حکومتِ پاکستان برائے تعلیم و آبادکاری

۱۹۵۰ء

کانفرنسوں میں شرکت:۔

متعدد اہم کانفرنسوں میں شرکت کی جن میں سے چند کی تفصیل درجِ ذیل ہے۔

۱۹۵۳ء میں پرنسٹن (امریکہ) میں منعقدہ ایک سیمینار میں شرکت کی اور ہندی مسلمانوں کی ثقافت کے ارتقاء پر مقالہ پڑھا۔

۱۹۵۹ء میں ڈیوک یونیورسٹی (نارتھ کیرولینا) کے ایک سیمینار میں شرکت کی اور اسلام میں سیاسی فکر کا پس منظر پر مقالہ پڑھا۔

ستمبر ۱۹۶۶ء میں ورلڈ کانگریس آف ایرانائوجسٹس منعقدہ تہران میں شرکت کی اور عمومی خطاب کیا۔

دسمبر ۱۹۶۶ء میں ایشیا فاؤنڈیشن کانفرنس منعقدہ ہانگ کانگ میں شرکت کی اور ایشیائی جامعات میں معاشرتی علوم کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔

فروری ۱۹۶۷ء میں امریکن یونیورسٹی آف بیروت کے اسلامی سمپوزیم میں "مسلم آرٹ" پر مقالہ پڑھا۔

جولائی ۱۹۶۷ء میں اسکول آف اورنٹیل اینڈ افریقن اسٹیڈیز یونیورسٹی آف لندن کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں شرکت کی اور ہندو مسلم تعلقات پر مقالہ پڑھا۔

ستمبر ۱۹۶۷ء میں انٹرنیشنل پولیٹیکل سائنس ایسوسی ایشن کی ساتویں عالمی کانفرنس منعقدہ برسیلز میں شرکت کی اور "مذہب و سیاست" کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔

جون ۱۹۶۸ء کو سیلون میں منعقدہ "ینگ ایشین لیڈرز" سیمینار میں شرکت کی۔

اعزازات :۔

۱۹۶۵ء میں ستارۂ پاکستان اور ۱۹۸۰ء میں ہلالِ امتیاز ملا۔

خدمات :۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کراچی یونیورسٹی کی وائس چانسلری سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد کالعدم سیاسی جماعت تحریک استقلال میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے سابق وزیرِ اعظم بھٹو کے عہدِ استبداد میں اعلائے کلمۃ الحق کو نصب العین بنایا اور حقیقی جمہوریت کی بحالی کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ خصوصاً تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۲ میں صوبہ سندھ میں لسانی تنازعہ شروع ہونے پر آپ نے اردو کی سربلندی کے لئے شبانہ روز جدوجہد کی اور دانشوروں کے اُس وفد کی قیادت کی جس نے سابق وزیرِ اعظم بھٹو سے لسانی تنازعہ پر مذاکرات کئے تھے۔

۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو مقتدرۂ قومی زبان کا چیرمین مقرر کیا گیا۔

۱۵ اگست ۱۹۷۹ء سے انہوں نے قومی زبان اردو کے فروغ کے لیے تندہی سے کام شروع

کیا اور صحت کی خرابی کے باوجود ہمہ وقت مصروف رہے۔ آپ کی کوششوں سے اردو ٹائپ رائٹر ایجاد ہوا۔ آپ نے ۶ دسمبر ۱۹۸۰ کو آخری پریس کانفرنس میں نستعلیق پریس کے بارے میں اعلان کیا جو اردو طباعت کی تاریخ میں ایک اہم کارنامہ ہے۔

آپ کی اہم مطبوعات یہ ہیں :۔

۱۔ دی ریلیجن آف پیس ، مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء

۲۔ اسٹیڈیز ان قرآن ، مطبوعہ مدراس ۱۹۳۱ء

۳۔ دی ایڈمنسٹریشن آف دی سلطنت آف دہلی ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۰ء

۴۔ دی پاکستانی وے آف لائف مطبوعہ لندن ۱۹۵۶ء

۵۔ دی مسلم کیمونٹی آف دی سب کانٹی نینٹ آف انڈیا اینڈ پاکستان مطبوعہ ہیگ ۱۹۶۲ء

۶۔ اسٹرگل فار پاکستان ، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء

۷۔ دی ایڈمنسٹریشن آف دی مغل ایمپائر ، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء

۸۔ پاکستان این اسلامک ڈیماکریسی ، مطبوعہ لاہور

۹۔ علماء ان پالیٹکس ، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء

۱۰۔ ایجوکیشن ان پاکستان ، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء

۱۱۔ اکبر ، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء

۱۲۔ پرسپیکٹوز آف اسلام اینڈ پاکستان ، مطبوعہ ۱۹۷۹ء

درج ذیل کتابیں ڈاکٹر صاحب نے بحیثیت معاون مصنف تحریر کیں۔

۱۔ سورسز آف انڈین ٹریڈیشن مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۵ء

۲۔ ہسٹری آف فریڈم موومنٹ ، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۶ء

۳۔ ٹریڈیشن ، ویلیوز اینڈ سوشیو اکنامک ڈیولپمنٹ ، مطبوعہ لندن ۱۹۶۱ء

۴۔ فارن پالیٹکس ان اے ورلڈ آف چینج ، مطبوعہ نیویارک ۱۹۶۳ء

۵۔ اے شارٹ ہسٹری آف پاکستان (چار جلدیں) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء

اس کے علاوہ بڑی تعداد میں مقالے اور مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی پر ۲۲ جنوری ۱۹۸۱ء کو اسلام آباد کے پولی کلینک میں دل کا دورہ پڑا اور وہ انتقال کر گئے۔ ڈاکٹر قریشی ۱۹ جنوری کو قومی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے اسلام آباد پہنچے تھے۔ آپ کی میت بذریعہ طیارہ کراچی لائی گئی۔ اسلام آباد میں آپ کی نماز جنازہ میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے علاوہ اعلیٰ فوجی و سول حکام نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ۲۳ جنوری کو کراچی میں آپ کی نمازِ جنازہ خیرآبادی مکتبۂ فکر کے روشن چراغ مولانا منتخب الحق قادری نے پڑھائی۔ سبزی منڈی کے قریب واقع قبرستان میں ڈاکٹر قریشی کو ان کی اہلیہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

تعزیتی پیغامات

بین الاقوامی شہرت یافتہ مؤرخ ۔ ممتاز ماہر تعلیم اور جامعہ کراچی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے انتقال پر ہر طبقہ فکر کے جانب سے گہرے صدمے اور رنج و غم کا اظہار کیا گیا ۔ یہاں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی خدمات کو بطور خراج عقیدت چند تعزیتی پیغامات درج کیے جا رہے ہیں ۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے منہ بولے بیٹے کے نام ایک تعزیتی پیغام میں کہا کہ مجھے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے اچانک انتقال کی خبر سن کر گہرا صدمہ ہوا ۔ مرحوم ڈاکٹر قریشی ممتاز ماہر تعلیم، معروف دانشور ، اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ادیب تھے ۔ انہوں نے

اپنے قلب ونظر کی نادر روزگار صفات سے نوجوان طلبہ کی پوری نسل کو متاثر کیا۔ خاص طور پہ ان کی قیام پاکستان اور اس کے بعد اس کی تعمیرِ نو میں قابلِ قدر خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ اُن کی زندگی حقیقت میں جہالت، تعصب اور ظلم وجور کے خلاف جہاد سے عبارت تھی۔ پاکستانی معاشرے کی ٹھوس انسانی اقدار پر تعمیرِ نو کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ پاکستان میں وہ اعلیٰ ترین مناصب پر فائز رہے۔ اور اسلام و پاکستان کی اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اُس کا پُر ہونا مشکل ہے۔ ان کے انتقال سے میرا ذاتی نقصان ہوا ہے۔ وہ اپنے اہلِ خانہ کے علاوہ طلبہ، ادیبوں اور مداحوں سمیت بے شمار افراد کو سوگوار چھوڑ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ خدا اُن کو جوارِ رحمت میں داخل کرے۔

گورنر سندھ لیفٹننٹ جنرل ایس ایم عباسی

گورنر سندھ لیفٹننٹ جنرل ایس ایم عباسی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ انہیں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے انتقال کی خبر سن کر گہرا صدمہ پہنچا جو ممتاز ماہرِ تعلیم، تاریخ دان اور عظیم محبِ وطن تھے۔ تعلیم کے فروغ میں مرحوم کی خدمات جن کی بنیاد اسلامی اقدار پر تھی عرصے تک یاد رہیں گی۔ ان کی موت سے قوم ایک ممتاز محقق اور ماہرِ تعلیم سے محروم ہو گئی ہے جنہوں نے مختلف حیثیتوں میں پاکستان کی بے لوث خدمت کی۔ وہ اپنی بھرپور زندگی کے آخری دور میں اپنی خرابیٔ صحت کے باوجود مقتدرہ قومی زبان کے سربراہ کی حیثیت سے متنوع جذبے کے ساتھ اردو کی ترقی اور ترویج داشاعت کے لیے کام کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

جناب محمد علی خان ہوتی وفاقی وزیرِ تعلیم

وفاقی وزیرِ تعلیم جناب محمد علی خان ہوتی نے اپنے ایک تعزیتی بیان میں کہا کہ ڈاکٹر

اشتیاق حسین قریشی نہ صرف ایک ممتاز ادیب تھے بلکہ وہ ایک نامور مؤرخ، ہمہ جہت ماہر تعلیم اور تحریکِ پاکستان کے ممتاز رہنما تھے۔ ان کے انتقال سے قوم و ملک کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

مولانا عبدالستار خان نیازی سینئر نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن پاکستان

ورلڈ اسلامک مشن کے سینئر نائب صدر اور تحریک پاکستان کے رہنما مولانا عبدالستار خان نیازی نے ایک تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا انتقال ایک قومی نقصان ہے وہ تحریکِ پاکستان کے رہنما۔ ممتاز ماہر تعلیم، اردو کے خدمتگار اور اسلامی اقدار کو قومی سطح پر فروغ دینے کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے تحریک بحالیٔ جمہوریت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں جو نمایاں کردار انجام دیا وہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی نے کہا کہ خصوصاً بحیثیت ایک مؤرخ کے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے جس بیباکی سے اظہارِ حق کا فریضہ انجام دیا ہے وہ تاریخ کے طلبہ کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ اُن کے انتقال سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اُس کا پُر ہونا مشکل ہے۔

مولانا جمیل احمد نعیمی شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

ممتاز عالم دین مولانا جمیل احمد نعیمی نے ایک بیان میں کہا کہ اہلِ علم و دانش کے لیے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا وجود اس دورِ پُرفتن میں ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھا۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کی تدوین اور اردو کی ترقی [illegible]

ڈاکٹر قریشی نے دو قومی نظریہ کے حامی علماء کا تذکرہ جس سچائی اور بیباکی سے کیا ہے وہ تاریخی مغالطوں کی اصلاح میں معاون ثابت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

علامہ شاہ تراب الحق قادری چیئرمین تعلیمی کمیٹی بلدیہ کراچی

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے انتقال سے مجھے ذاتی طور پر صدمہ پہنچا کیونکہ وہ ایک عظیم کردار و شخصیت کے مالک تھے اور ان کی حب الوطنی [illegible] ڈاکٹر صاحب نے دو سال قبل کراچی میں یوم رضا کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے [illegible] حامی علماء کی تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں جو فضیلت بیان کی تھی اس سے [illegible] ترجیح پر روشنی [illegible] ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصاً ڈاکٹر قریشی نے اپنی کتاب "علماء ان پالیٹکس" میں فاضل بریلوی اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان کی دو قومی نظریہ کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں خدمات کا جس مستحسن انداز میں تذکرہ کیا ہے وہ ہمارے تذکرہ نویسوں اور مؤرخین کے لیے اظہارِ حق کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اللہ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

العالم الکامل المحدث الفاضل
جبل الاستقامۃ
علامہ حضرت شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ
کی
فقہ حنفی میں نادر و نایاب تصنیف

التعلیق المجلّٰی لما فی منیۃ المصلّٰی

پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر
مکتبہ قادریہ لاہور سے فوٹو آفسٹ پر ایک مرتبہ پھر
اہلِ علم کے لئے طبع ہو گئی ہے۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور (پاکستان)

کیا یہ کتابیں آپ نے پڑھی ہیں؟

اختلافِ علیؓ و معاویہؓ :- شیخ الاسلام مولانا عبدالقادر بدایونی کی ایک نادر تصنیف، ترجمہ :- شاہ حسین گردیزی

تاریخ پاک و ہند :- محمد بن قاسم کی آمد سے لیکر قادیانی مسئلہ حل ہونے تک، مولفہ :- حکیم قاری احمد پیلی بھیتی

تذکرۂ محدّث سورتی :- چودھویں صدی ہجری کے بے بدل محدث اور فقیہہ شاہ وصی احمد محدث سورتی کے حالات
تصنیف :- خواجہ رضی حیدر

تذکرۂ اکابر اہلسنت :- سرزمین پاک کے علماء کی خدمات اور حالات پر مشتمل ایک مستند تاریخ
تصنیف :- علامہ عبدالحکیم شرف قادری

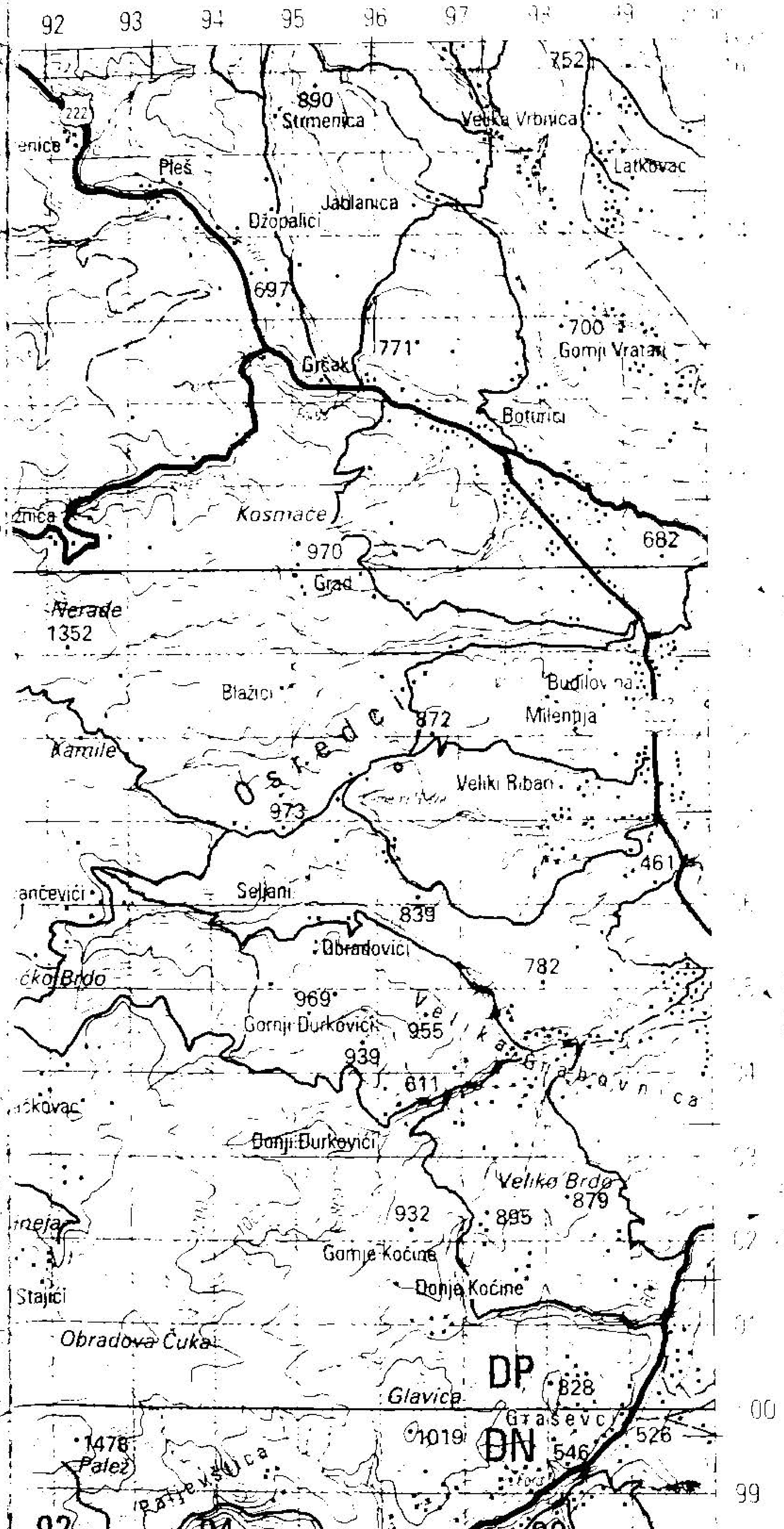
نظریۂ پاکستان :- نظریۂ پاکستان کی تشکیل و ارتقاء پر ایک جامع اور مستند کتاب، تصنیف :- پروفیسر شریف المجاہد

قائداعظم کے ۷۲ سال :- قائداعظم کے روز و شب کی مفصل داستان
تصنیف :- خواجہ رضی حیدر

ملنے کا پتہ

سورتی اکیڈمی - ۲ ڈی ۵/۱۶ ناظم آباد کراچی

مکتبۂ قادریہ - اندرون لوہاری گیٹ، لاہور



92
93
94
95
96
97
752
890
Strmenica
Velika Vrbnica
Pleš
Latkovac
Jablanica
Džopalići
697
700
771
Gornji Vratari
Grčak
Boturići
Kosmaće
970
682
Grad
Nerade
1352
Budilovina
Blažići
872
Milentija
Kamile
Osredci
Veliki Riban
973
461
Seljani
839
Obradovići
782
969
Gornji Đurkovići
955
Velika Grabovnica
939
611
Donji Đurkovići
Veliko Brdo
879
932
895
Gornje Kočine
Donje Kočine
Stajići
Obradova Čuka
DP
828
Glavica
Graševci
1019
526
1478
DN
546
Palež
00
99